عہد نبوی کے غزوات و سرایا

اور

ان کے مآخذ پر ایک نظر

اسلام اور یہود

(۱۲)

سعید احمد اکبر آبادی

جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا اب جب کہ مدینہ، ماڈرن پالٹیکل سائنس کی اصطلاح اور تعریف کے مطابق، ایک ریاست تھا جس کے صدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو اس کے استحکام کے لئے آپ کو لامحالہ تین کام کرنے پڑتے تھے (۱) داخلی تحفظ کے انتظامات (۲) سرحدوں کا تحفظ (۳) سرحدوں کی توسیع (Tarritorial Expansion)

داخلی تحفظ (Internal Cecority) کا تقاضا۔ جس کو دنیا کے تمام قوانین وضوابط اور دساتیر و آئین تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ہے کہ جو لوگ ریاست کے وفادار نہیں ہیں، اور اس بنا پر ریاست، یا صدر ریاست، یا دستور و آئین ریاست کے خلاف معاندانہ اور شرانگیز رویہ رکھتے ہیں، ان کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں میں منہمک رہتے ہیں۔ ریاست کو نقصان پہونچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے، یہ سب لوگ غدار (Treason)

اور خیانت (disloyalty) کے جرم کے مرتکب ہیں۔ اس بنا پر ریاست کو ان سے پاک وصاف ہونا چاہیئے، جرم کی شدت و نوعیت کے اعتبار سے اس کی صورتیں دو ہی ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ ان کو جلا وطن کیا جائے اور دوسرے یہ کہ قرآن کے حکم الفتنۃ اشد من القتل کے مطابق ان کا کام تمام کردیا جائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے مختلف قبیلوں اور بعض اشخاص و افراد کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ داخلی تحفظات کے اسی تقاضہ کے ماتحت کیا۔ پھر آپ نے جو غزوات کیے ان کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ دشمن نے خود مدینہ پر چڑھائی کی، آپ نے اس کا دفاع کرکے سرحدی تحفظ کا انتظام کیا، دوسری صورت یہ تھی کہ آپ کو معلوم ہوا کہ دشمن مدینہ پر چڑھائی کا منصوبہ بنا رہا ہے، تو قبل اس کے کہ وہ اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنائے آپ نے خود پیش قدمی کرکے اس کے منصوبہ کو ناکام بنا دیا۔ مکہ آپ کا وطن تھا اور قبلۂ اسلام بھی وہیں تھا اس لئے اس کا فتح کرنا بھی ضروری تھا۔ اس طرح کے غزوات توسیع حدود کے ماتحت آتے ہیں۔ اب ہم علی الترتیب ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ کلام کریں گے۔

مدینہ کے داخلی تحفظ کو جن لوگوں سے خطرہ تھا وہ دو طبقوں پر مشتمل تھے ایک منافقین اور دوسرے یہود، منافقین کے ساتھ حضورؐ نے جو برتاؤ کیا اس کو اور اس کے وجوہ و اسباب کو ہم پہلے بیان کرچکے ہیں، اب صرف یہود کا معاملہ رہ جاتا ہے، یہ چونکہ تاریخ اسلام کا ایک نہایت اہم باب ہے اس بنا پر داخلی تحفظات کے سلسلہ میں آپ نے یہود کے خلاف جو اقدامات کئے ان کو بیان کرنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے تعلق کا تاریخی پس منظر بیان کردینا ضروری ہے۔

قرآن مجید میں یہود کا تذکرہ

یہود مدینہ کون لوگ تھے، کس نسل سے تعلق رکھتے تھے، حوالی مدینہ میں کہاں سے آکر آباد ہوئے تھے، یہ کتنے قبیلوں پر مشتمل تھے، ان کے ذرائع معاش اور پیشے کیا کیا تھے، مدینہ میں ان کے اقتدار کا کیا عالم تھا، قبیلۂ اوس و خزرج

کے ساتھ ان کے تعلقات کس قسم کے تھے ؟ ہم ان سب چیزوں کا مختصر تذکرہ ہجرت کے باب میں کر آئے ہیں ، اب یہ سنئے کہ قرآن مجید کا رویہ ان کے ساتھ کیا رہا ہے۔

قرآن مجید میں یہود کا ذکر دو قسم کی آیات میں ہے (الف) ایک وہ آیات جن میں خاص طور پر یہود کو خطاب کیا گیا یا ان کے اعمال و افعال اور افکار و مزعومات کا تذکرہ فرمایا گیا ہے (ب) اور دوسری قسم ان آیات کی ہے جن میں عیسائیوں کے ساتھ شریک کر کے اہل کتاب کے مشترک لفظ سے ان کو خطاب کیا گیا یا ان کا تذکرہ کیا گیا ہے ، ان سب آیات میں جو مضامین بیان کئے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) یہود کی استمالت (Persicstion) اور اسلام کے قبول کر لینے پر ان کی تحریص و ترغیب۔

(۲) یہود جن اعتقادی اور عملی گمراہیوں میں مبتلا تھے ان کی نشاندہی اور ان پر تنبیہ۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ان لوگوں نے جو سخت معاندانہ اور عداوت کی روش اختیار کی تھی اس پر ان کو تنبیہ اور مسلمانوں کو ان سے ہوشیار و خبردار رہنے کی تاکید۔

آیات نمبر اول میں قرآن مجید میں جس فراخدلی اور وسعتِ قلب سے حضرت موسیٰ اور ان کی کتاب توراۃ اور دوسرے انبیائے بنی اسرائیل کی مدح اور تعریف و توصیف کی گئی ہے وہ قرآن کا وصف امتیازی و خصوصی ہے ، دنیا میں کوئی الہامی یا آسمانی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں کسی دوسرے مذہب کے پیغمبروں اور ان کی کتابوں کا ذکر اس درجہ عظمت ، فراخدلی اور فیاضی کے ساتھ اور اس کثرت اور تکرار سے کیا گیا ہو[1]، یہ سب کچھ درحقیقت بنیاد ہے

---

[1] یہود سے متعلق قرآن مجید میں آیات اس کثرت سے ہیں کہ انھیں کلاً یا جزءً نقل کرنے کی گنجائش اس مقالہ میں کہاں ہو سکتی ہے ، جو اصحاب ان آیات کا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اُس وحدتِ دین کی جس کا داعی قرآن مجید ہے اور اسی وجہ سے جو لوگ دین میں تفریق کرتے اور اس بنا پر پیغمبر پیغمبر میں فرق وامتیاز کرتے ہیں قرآن ان کی سخت مذمت کرتا ہے، اور وحدت دین کا مطلب یہ ہے کہ جب دین ایک ہی ہے اور باری باری سے جو پیغمبر اس کے داعی اور مبلغ ہوکر آرہے ہیں تو اب دین کے ساتھ وفاداری کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ جو پیغمبر جس کے زمانہ میں آئے وہ اگرچہ ایمان تمام پیش رو پیغمبروں پر لائے گا لیکن اطاعت اور فرماں برداری اپنے عہد کے پیغمبر کی اسی طرح کرے گا جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے عہد کے لوگ (جو اُن پر ایمان لے آئے تھے) علی الترتیب اپنے اپنے عہد میں کرتے تھے، غور کرنا چاہئے کہ قرآن کا یہ تصور وحدتِ دین کس درجہ فطری (Natural) معقول (Reasonable) اور منطقی (Logical) ہے جس سے کسی طبعِ سلیم کو انکار نہیں ہو سکتا، قرآن کی یہی وہ دعوت ہے جس کو اُس نے یہود اور نصاریٰ کے سامنے نہایت موثر و دلنشین پیرایۂ بیان میں بار بار پیش کیا ہے، یہاں تک کہ قرآن نے صاف لفظوں میں کہا:

قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا

اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم اس چیز کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یکجائی مطالعہ مع اردو ترجمہ کے کرنا چاہیں انھیں حسب ذیل کتابوں سے مدد لینی چاہئے:

(۱) تبویب القرآن بضبط مضامین الفرقان از مولانا وحید الزماں نواب وقار نواز جنگ، حیدر آباد

(۲) مقدمۂ اردو ترجمۂ قرآن از مولانا نذیر احمد دہلوی

(۳) ترجمان القرآن سورۂ فاتحہ۔ از مولانا ابوالکلام آزاد

وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّن دُوْنِ اللّٰہِ ۔ (آل عمران)

کی عبادت نہیں کریں گے، اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گے اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا آقا تسلیم نہیں کرے گا۔

پھر قرآن کے وحدت دین کے اسی تصور کا ایک عملی نمونہ دکھانے کے لئے یہاں تک کیا گیا کہ پہلے (یا دوسری مرتبہ) قبلہ بیت المقدس کو قرار دیا گیا اور اس کے بعد اسے بدلکر کعبہ کو بنا دیا گیا۔ قاضی بیضاوی (سیقول السفہاء کی تفسیر کے ماتحت) تو یہ لکھتے ہیں کہ بیت المقدس کو جو قبلہ بنایا گیا تھا وہ یہود کی تالیفِ قلب کے لئے بنایا گیا تھا، لیکن ہم یہ نہیں کہتے، ہمارے نزدیک تحویل قبلہ کا مقصد یہ جتانا تھا کہ قبلہ کونسا مقام ہو؟ یہ صرف ایک فروعی چیز ہے جس کا تعلق ان رسوم شریعت سے ہے جن کی تعلیم ہر پیغمبر جداگانہ طور پر دیتا ہے، یہ دین کا صرف ایک مظہر ہے، عین دین نہیں ہے، اصل اور عین دین تو اللہ پر ایمان، اُس کی عبادت اور اس کے احکام کی پیروی ہے۔ جیسا کہ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ الیٰ آخر الآیۃ میں فرمایا گیا۔ قرآن کہتا ہے کہ تحویل قبلہ تو وحدتِ دین کا ایک عملی ثبوت ہے، نہ کہ اس کا انکار۔ پھر یہود اُس پر کیوں معترض ہوتے ہیں۔

اچھا! قرآن وحدت دین کا جو تصور پیش کرتا ہے وہ بالکل بجا اور درست! لیکن یہود اور نصاریٰ کہہ سکتے تھے کہ اس تصور کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے واجب الاتباع اُس وقت ہوں گے جب کہ پہلے یہ تو ثابت ہو کہ آپ پیغمبر برحق اور مرسل من اللہ ہیں، اسی دغدغہ کو دور کرنے کی غرض سے قرآن نے ان کو یاد دلایا کہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کے مبعوث ہونے کی خبر توراۃ اور انجیل دونوں میں دی گئی ہے اور یہود تو خاص طور سے اس پیغمبر موعود کا انتظار بڑی شدت سے کر رہے تھے، کیونکہ اُن کے علم

کے مطابق اس پیغمبر کا زمانۂ بعثت آچکا تھا اور اس بنا پر قبیلۂ اوس وخزرج کے لوگوں سے بہ طور فخر کہتے تھے کہ "اب وہ پیغمبر آنے والا ہے اور ہم اس پر ایمان لاکر تم لوگوں کو مغلوب کرلیں گے۔" قرآن کہتا ہے کہ "لو! جس پیغمبر کا تم انتظار کر رہے تھے وہ آگیا، اب اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے، ہاں بس! بات اتنی ہے کہ وہ پیغمبر تم میں پیدا نہیں ہوا. تو یاد رکھو کہ پیغمبری کسی خاص خاندان یا نسل کی اجارہ داری نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت جہاں چاہتی ہے پیغمبر پیدا کر دیتی ہے، یہ سب کچھ یاد دلانے کے ساتھ قرآن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت اور موکد کرنے کے لئے دلائل وبراہینِ قاطعہ بھی پیش کئے جس کے بعد اس میں کوئی شک باقی ہی نہیں رہتا کہ آپ وہی پیغمبرِ موعود ہیں جن کی بشارت توراۃ اور انجیل میں مذکور تھی"، اب اس کے بعد یہود کے لئے مجالِ انکار کیا اور اور کیونکر ہوسکتی تھی، اس پورے سلسلہ کی جو آیات قرآن مجید میں جگہ جگہ بکھری ہوئی ہیں ان سب کا مطالعہ یکجائی طور پر کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ ملاطفت، انہام وتفہیم اور ارشاد و ہدایت کا وہ کونسا دقیقہ ہے جسے قرآن مجید نے یہود کے خطاب میں فرو گذاشت کر دیا ہے۔

الطاف وانعامات الٰہی کا ذکر پھر اس سلسلہ میں قرآن مجید نے یہود کو یہ بھی یاد دلایا کہ فرعون نے ان کو کس طرح ذلیل وخوار اور مظلوم ومقہور بنا رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے ذریعہ ان کو اس سے نجات دلائی، اور جب جنگل میں کچھ کھانے کو نہیں ملتا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان پر منّ وسلویٰ نازل کئے، دو مرتبہ ان کو حکومت وسلطنت اور سربلندی وسرفرازی عطا فرمائی، ان کی نسل میں بڑے بڑے پیغمبر پیدا کئے، ان کو دولت وثروت سے نوازا اور انھیں خوش حالی بخشی، لیکن یہ لوگ اپنی سرکشی بغاوت اور احکام الٰہی سے سرتابی سے باز نہیں آئے اور انبیائے کرام کے قتل تک کے جرائم کا ارتکاب کیا تو پھر پانسہ پلٹ گیا اور رومیوں نے ان پر مسلط ہوکر انھیں کہیں کا نہیں رکھا۔

آیات نمبر ۲ | یہود کے عہد قدیم کے یہ وہ تاریخی حقائق و واقعات ہیں جن کو قرآن مجید نے ان کی عبرت و بصیرت اور موعظت پذیری کی غرض سے بیان کیا ہے، خاص یہود مدینہ کے اعمال و افعال، اخلاق و عادات اور دسائس و مکائد کی پردہ دری میں بھی اس نے کوئی کسر اٹھا کے نہ رکھی، اس نے یہ بتایا کہ یہ لوگ گناہ اور حد سے تجاوز کی طرف پیشقدمی کرنے میں بڑی جلدی کرتے ہیں، سودی لین دین کے رسیا اور ناجائز طریقہ پر لوگوں کا مال ہڑپ کر لینے پر بڑے حریص ہیں، مسلمانوں کو جلی کٹی باتیں سنانے میں ان کو مزہ ملتا ہے، وغیرہ وغیرہ،

آیات نمبر ۳ | ہزار افہام و تفہیم، لطف و مدارات اور تنبیہ کے بعد بھی جب یہود ٹس سے مس نہ ہوئے اور اسلام قبول کرنا تو کجا، ایک اسلامی ریاست کے شہری کی حیثیت سے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ایک ادنی درجہ کی رواداری برتنی بھی گوارا نہیں کی تو آخر کار قرآن کو اعلان کرنا پڑا کہ یوں کہنے کو تو عیسائی اور یہود دونوں ہی اہل کتاب ہیں، لیکن درحقیقت عملاً دونوں میں بڑا فرق ہے، چنانچہ اس نے کہا:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا، وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ط ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ، يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (المائدہ)

اے پیغمبر جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کے سب لوگوں سے زیادہ سخت دشمن آپ یہود اور مشرکین کو حتمی طور پر پائیں گے، اور ان کے برعکس آپ ایمان لانے والوں سے باعتبار دوستی کے سب سے زیادہ قریب بغیر کسی شک کے اُن لوگوں کو پائیں گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاری ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان نصاری میں علماء اور زاہد و عابد ہیں اور یہ گھمنڈ نہیں کرتے، اور جب یہ اس کلام کو سنتے

ہیں جو ہمارے رسول (محمد) پر اتارا گیا ہے تو
آپ ان کی آنکھوں کو اشکبار دیکھیں گے، کیونکہ
انھوں نے حق کو پہچان لیا ہے، (چنانچہ) وہ
کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے
ہیں، اس لئے تصدیق کرنے والوں کے ساتھ آپ
ہمارا نام بھی لکھ دیجئے۔

یہود کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ خلق اور لطف و مدارات کا معاملہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مردم شناسی اور نفسیات انسانی کی پہچان میں اعلیٰ کمال رکھتے تھے، اس لئے یہود کی رگ رگ اور نس نس سے باخبر تھے اور ان کی کوئی جلی اور خفی حرکت ایسی نہیں تھی جو آپ پر پوشیدہ ہو، لیکن اسلام نے اپنے اور پرائے، دوست اور دشمن، ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف اور حسنِ خلق و مدارات کا معاملہ کرنے کا جو حکم دیا اور اُس کی تاکید کی ہے[1]، اس سے یہود بھی

---

[1] عدل و انصاف کے بارہ میں اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے، قرآن میں فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ، وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ، اعْدِلُوا ـ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۔ (المائدہ)

اے ایمان والو، تم اللہ کے گواہ ہو کر عدل و انصاف کے علمبردار اور اُس کے محافظ بن جاؤ، اور ہاں دیکھو تمہارے ساتھ کسی قوم کی عداوت تم کو انصاف کے راستہ سے برگشتہ نہ کرنے پائے، تم ہر حالت میں انصاف کرو، یہ شیوۂ عدل ہی تقویٰ و طہارت سے قریب تر ہے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و طنز کرنے والے کہاں ہیں! کان کھول کر سن لیں، پھر ارشاد ہوا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴ پر)

بہرہ مند اور فیض یاب تھے ، بلکہ جیسا کہ گذر چکا ہے آپ نے ان لوگوں کے ساتھ تو خصوصی معاملہ یہ کیا کہ ان کے مختلف قبائل کے ساتھ معاہدہ کیا اور اس میں یہود کو اپنے دین پر قائم رہنے کی آزادی عطا فرمائی اور ان کی جانوں اور مال و متاع کو مسلمانوں کی جانوں اور ان کے اموال کی طرح محفوظ و مامون قرار دیا ، اس سے قطع نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ عدل و انصاف اور حسنِ خلق کا جو معاملہ کیا ہے اس کی چند مثالیں لیجئے ، ورنہ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں اس قسم کے واقعات کثرت سے منقول ہیں :

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝

(النساء ، ع ۲۰)

ایمان والو ! انصاف کے علمبردار اور محافظ اور اللہ کے لئے گواہ بنو ، اگرچہ اس میں تمہارا اپنا ، تمہارے والدین اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو ، ان لوگوں میں کوئی مالدار ہے یا محتاج (تم اس کی پرواہ نہ کرو) کیونکہ اللہ ان کی تم سے بہتر طریقہ پر خبر گیری کرنے والا ہے تو ہاں دیکھو (انصاف کے معاملہ میں) من مانی نہ کرو جس کے باعث تم عدل کے راستہ سے منحرف ہو جاؤ ، اگر تم اس میں ہچکچاؤ گے یا حق سے اعراض کرو گے تو سمجھ لو کہ اللہ بے شبہ تمہارے کرتوتوں سے باخبر ہے ۔

رہا حسن خلق ! تو اسلام کا دوسرا نام ہی حسن خلق ہے ، چنانچہ ارشاد نبوی ہے :

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵ پر)

عدل و انصاف

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ طعمۃ بن ابیرق نے قتادہ بن النعمان کی ایک زرہ چوری کرلی اور اسے گھر لے جاکر ایک یہودی کے پاس پوشیدہ رکھ دیا۔ اب زرہ کی تلاش ہوئی اور وہ یہودی کے گھر دستیاب ہوگئی تو لوگوں نے یہودی کو ہی ملزم ٹھہرالیا۔ ہرچند اس نے حقیقت واقعہ بیان کی، مگر کسی نے اس کا اعتبار نہیں کیا، آخر معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا، اب یہودی کے خلاف متعدد شہادتوں کی بنیاد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہودی کے خلاف فیصلہ سنانے والے تھے ہی کہ اچانک آیت ذیل نازل ہوئی:

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ، وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا (النساء) ۱

ہم نے سچائی کے ساتھ کتاب آپ پر بے شبہ اس لئے نازل کی ہے کہ اللہ نے آپ کو جو کچھ دکھا یا ہے آپ اس کے مطابق لوگوں کے معاملات

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴)

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الاَخْلَاق میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں کہ اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں، اس سلسلہ میں اسلام کا رجحان طبعی (Natural trend) کیا ہے؟ اس کا اندازہ اس آیت سے ہوگا:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ، ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ، فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ

اور بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہیں، آپ اپنی طرف سے مدافعت ایک ایسے طریقہ سے کیجئے جو بہتر ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہو کہ جو تمہارا دشمن جانی ہے وہ جگری دوست بن جائے۔

۱ لیکن محدثین کے نزدیک اس روایت کی اسناد ضعیف ہیں۔ تفسیر ابن جوزی ج ۲ ص ۱۹۰

کا فیصلہ کریں اور آپ دغا بازوں کے طرفدار نہ ہوں۔

ابن ابی حدرد الاسلمی صحابی تھے، انھوں نے ایک یہودی سے چار درہم قرض لئے تھے، لیکن مقررہ وقت پر ادا نہ کرسکے، یہودی نے حضورؐ سے شکایت کی، آپ نے حضرت ابن ابی حدرد سے فرمایا: "یہودی کا جو واجبی مطالبہ ہے اسے پورا کرو" ابن ابی حدرد نے عرض کیا: "حضورؐ! خدا کی قسم! یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے" حضورؐ نے دوبارہ پھر وہی فرمایا تو ابن حدرد نے بھی جواب میں اسی پہلی بات کا اعادہ کیا اور مزید کہا: "معلوم ہوا ہے کہ آپ ہم لوگوں کو خیبر کی مہم پر روانہ کرنے والے ہیں، اگر وہاں مال غنیمت میں مجھے کچھ مل گیا تو میں اس میں سے یہودی کا قرض ادا کردوں گا" لیکن یہ سن کر حضور نے پھر یہی فرمایا: "تم یہودی کا حق ادا کرو" حضور کی عادت تھی کہ ایک بات کو تین مرتبہ کہنے کے بعد پھر اس کی تکرار نہیں کرتے تھے، ابن ابی حدرد سمجھ گئے کہ اس سے مفر نہیں ہے، اس لئے سیدھے بازار گئے، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ، وہاں اپنی چادر جسے بطور تہبند لپیٹ رکھا تھا اسے کھول کر یہودی کے ہاتھ چار درہم میں فروخت کیا اور سر پر جو پگڑی بندھی تھی اس کو تہبند کی جگہ استعمال کیا۔[1]

ایک اور واقعہ سنئے جس کا تعلق خود حضور کی ذات سے ہے:

یہود سے لین دین کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی رکھتے تھے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے اپنی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھکر اپنے متعلقین کے لئے اس سے کچھ غلہ خریدا[2]۔ زید بن سعنہ جو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے، جس زمانہ میں

---

[1] مسند امام احمد ساعاتی ج ۱۹ ص ۹۳

[2] کتاب البیوع باب شراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنسیہ

یہودی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ قرض لیا تھا۔ ایک روز وہ اپنا قرض مانگنے آئے تو حضورؐ کی چادر پکڑ کر کھینچی اور سخت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے۔ حضرت عمر اس موقع پر موجود تھے، یہ دیکھکر غصہ سے بیتاب ہوگئے اور سخت زجر و توبیخ کی، رحمتِ عالم یہ دیکھکر مسکرائے اور فرمایا: عمر! مجکو تم سے کچھ اور امید تھی، تم کو زید بن سعنہ سے کہنا چاہیئے تھا کہ نرمی سے کلام کرے اور مجھ سے کہنا چاہیئے تھا کہ اس کا قرض ادا کروں۔ اس کے بعد حضرت عمر سے فرمایا: اس شخص کا قرض میری طرف سے ادا کرکے بیس صاع کھجور کے اسے اور زیادہ دیدو۔[1]

یہودیوں کے باہمی نزاعات کا فیصلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ کی اس صفتِ عدل و انصاف کا اعتراف یہود کو بھی تھا اور اس درجہ سخت دشمنی اور مخالفت کے باوجود یہ لوگ اپنے باہمی نزاعات وخصومات کا فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی کراتے تھے، چنانچہ بنو نضیر اور بنو قریظہ میں یہ جھگڑا مدت سے چلا آرہا تھا کہ بنو نضیر اپنے مقتول کی دیت پوری وصول کرتے تھے اور بنو قریظہ نصف! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان دونوں نے اپنا معاملہ پیش کیا تو آپ نے دونوں میں برابر کی دیت کا فیصلہ کیا اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَاِنْ جَآؤُكَ فَاحْكُمْ بَیْنَھُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْھُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْھُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْئًا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ

حکام یہود جھوٹ باتوں پر کان دھرنے والے اور حرام کمائی (رشوت) کھانے والے ہیں، اس لئے اگر اے محمدؐ یہود آپ کے پاس (اپنا کوئی معاملہ لیکر) آئیں تو آپ کو اختیار ہے کہ ان کے درمیان محاکمہ کریں یا انھیں

---

[1] بحوالہ سیرت النبی مولانا شبلی حصۂ اول مجلد دوم ص ۳۵۶

الْمُقْسِطِيْنَ ○
(المائدہ) [1]

نظر انداز کر دیں، آپ نے اگر انھیں نظر انداز کر بھی دیا تو یہ ہرگز آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے، البتہ ہاں اگر آپ اُن کا جھگڑا چکانا چاہیں تو پھر عدل اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجئے، اللہ بے شبہ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اسی طرح ایک محاکمہ آپ نے زنا کے ایک معاملہ میں کیا تھا، سورۂ المائدہ کی ہی دوسری آیتوں میں اس کا تذکرہ ہے، ہر شئی کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی ضد کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دے، حسنِ نظارہ سوز کا کمال یہ ہے کہ ایک زاہدِ خشک بھی اسے دیکھے تو اُس کے عشوہ کا اسیر ہو جائے، ایک نغمہ کی غایت سحر کاری یہ ہے کہ پرندے بھی اسے سن کر سکتہ میں آجائیں، ابرِ کرم کی فیض بخشیوں کی انتہا یہ ہے کہ بنجر اور بے آب و گیاہ زمینیں چمنستانوں میں تبدیل ہو جائیں، نور و حرارت کی عطا گستری کا نقطۂ عروج یہ ہے کہ ظلمت کدے بقعۂ نور اور تیرہ و تار ویرانے روشن آبادیاں بن جائیں، پس اسی طرح ایک انسان کی عظمتِ اخلاقی کا منتہا یہ ہے کہ اس کا بڑے سے بڑا سرکش دشمن بے ساختہ اس کے عملی اعتراف و اقرار پر مجبور ہو جائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا، مکہ میں تھے تو ابوجہل، عتبہ اور شیبہ تک نے آپ کے امین صادق ہونے کی برملا شہادت دی اور اب مدینہ میں یہود نے ہزار دشمنیوں کے باوجود آپ کو اپنے معاملات میں حکم قرار دے کر آپ کی صفتِ عدل و انصاف پر مہرِ تصدیق ثبت کی، تاریخ انسانی تہذیب و تمدن کا ایک نہایت عجیب و غریب واقعہ تھا جسے قرآن مجید نے بلاغت کے عام اصول کے مطابق تعجب کے پیرایۂ اظہار میں بیان کیا ہے،

---

[1] تفسیر ابن جوزی ج ۲ ص ۳۶۰ و دیگر تفاسیر

ارشاد ہوتا ہے :

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ، ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَالِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۔ (المائدہ)

اور اے محمد یہود اپنے معاملات میں آپ کو حکم کس طرح بناتے ہیں۔ درآنحالیکہ ان کے پاس توراۃ ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے پھر اس کے بعد یہ لوگ اس سے منحرف ہو جاتے ہیں اور یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں ۔

کمال دلجوئی عدل و انصاف کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود کی دلجوئی بھی فرماتے تھے، چنانچہ یہود کے معاملات کا فیصلہ خود ان کی کتاب توراۃ کی روشنی میں کرتے تھے، آپ مدینہ میں پہونچے اور یہود کو دیکھا کہ صوم عاشورا (محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ) رکھتے ہیں تو آپ نے بھی اسے پسند فرمایا اور روزہ رکھا۔ ایک مرتبہ ایک یہودی نے حضرت موسیٰ کی فضیلت اس طرح بیان کی کہ گویا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہیں۔ ایک صحابی کو اس پر طیش آگیا اور انھوں نے یہودی کے طمانچہ رسید کیا، اس شخص نے حضورؐ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا: "لوگو! مجکو اور پیغمبروں پر ایسی فضیلت مت دو جس سے ان کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو"، پھر خاص حضرت موسیٰ کی نسبت ارشاد ہوا: "حشر میں سب بیہوش ہو جائیں گے، اس کے بعد سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہیں"[1]

احترام یہود اسلام دشمنی میں مشرکین قریش سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہی تھے، تاہم اہل کتاب تھے، اس بنا پر آپ ان کے ساتھ رعایت و احترام کا خاص معاملہ کرتے تھے، ارشاد نبوی ہے کہ کسی مسلمان کا جنازہ گذرے تو کھڑے ہو جاؤ، سرور عالم کا یہی معاملہ یہودیوں کے جنازہ کے ساتھ تھا، چنانچہ ایک مرتبہ آپ چند صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اتنے میں

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ اعراف

ایک جنازہ گذرا تو آپ حسب معمول کھڑے ہو گئے۔ صحابہ نے عرض کیا: "حضور! یہ تو یہودی کا جنازہ تھا!" آپ نے جواب دیا: "کیا اس میں جان نہیں تھی؟" آپ کے اتباع میں صحابہ کا بھی معمول یہی تھا کہ یہودی کا جنازہ گذرتا تھا تو کھڑے ہو جاتے تھے[۱]

چشم پوشی اور درگذر یہودی کسی موقع پر بھی خباثتِ نفس سے باز نہیں آتے تھے۔ لیکن آپ ہمیشہ خوش خلقی اور عفو و درگذر کا معاملہ کرتے تھے، ایک مرتبہ یہودیوں کا ایک گروہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہا جس کے معنی ہیں "تم پر ہلاکت ہو" حضرت عائشہ اس وقت موجود تھیں، یہ سن کر غصہ سے بیقرار ہو گئیں، اور تڑاق سے جواب میں بولیں: "بدبختو! تم پر خدا کی لعنت اور موت" رحمت عالم نے یہ سنا تو فرمایا: عائشہ! "ذرا صبر کرو!" حضرت عائشہ نے جواب دیا: "حضور! آپ نے سنا بھی، ان لوگوں نے کیا کہا!" آپ نے فرمایا: "ہاں! میں نے سنا اور اس کے جواب میں "وعلیکم" کہہ دیا، بس یہ کافی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند کرتا ہے[۲]۔"

یہود سے سماجی تعلقات یہود اور مسلمانوں میں سماجی تعلقات بھی تھے، اوس اور خزرج کے ساتھ تو ازدواجی تعلقات اور رشتہ داریاں بھی تھیں، اسلام مشرکین تک کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے، پھر یہود اس سے کس طرح محروم ہو سکتے تھے، یہودی عورتیں بے تکلف کاشانۂ نبوت میں آتی جاتی تھیں، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عائشہ کو کوئی شکایت ہے اور ایک یہودی عورت پاس بیٹھی جھاڑ پھونک کر رہی ہے۔ صدیق اکبر نے اس عورت سے فرمایا: تم کتاب اللہ سے جھاڑ پھونک کرو[۳]۔ اسلام میں ہمسایہ کے جو

---

[۱] صحیح بخاری باب من قام لجنازۃ یہودی

[۲] صحیح بخاری باب طیب الکلام

[۳] موطأ امام مالک و عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۲

حقوق میں ان کا دروازہ یہود کے لئے بھی کھلا ہوا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا ایک لڑکے نے بکری ذبح کی ہے اور اس کا گوشت بنا رہا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر نے تاکید کی کہ اس گوشت کا ایک حصہ گھر کے پڑوسی یہودی کے ہاں بھی بھیجا جائے۔ کسی نے کہا: "حضرت! وہ تو یہودی ہے" آپ نے فرمایا: یہودی ہے تو کیا ہوا! پڑوسی تو ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے پڑوسی کے حقوق اتنے اور اس تاکید سے بیان فرمائے کہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ اس کو وراثت میں بھی حصہ دار بنائیں گے[1]

داد و دہش اسلام کا حکم ہے کہ صدقات وخیرات میں مسلم اور غیر مسلم کی تمیز درست نہیں ہے۔ اس عام حکم سے یہودی بھی مستثنیٰ نہیں تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی خاندان کو صدقہ دیا، ام المومنین حضرت صفیہ یہود خاندانوں میں رشتہ داریاں رکھتی تھیں اور خود صاحب حیثیت بھی تھیں، ایک مرتبہ انھوں نے اپنے دو یہودی رشتہ داروں کو تیس ہزار کی مالیت کا صدقہ دیا۔[2]

---

[1] الادب المفرد امام بخاری باب جار الیہودی۔ یہ روایت ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔
[2] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۷۲

ادارہ کے قواعد ضوابط

اور

فہرست کتب طلب فرمائیے

مکتبہ برہان جامع مسجد دہلی